پروفیسر عبدالحمید ڈار
صدر شعبہ معاشیات اسلامیہ کالج لاہور

اُجرتوں کا تعیّن

اسلام کی روشنی میں

کسی ملک کے معاشی نظام میں اجرتوں کا مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اجرتوں کا معیار اگر محنت کشوں کی منشا کے مطابق ہو تو وہ خوش دلی اور یکسوئی سے کام میں مصروف رہتے ہیں اور اس طرح قومی دولت میں بیش از بیش اضافہ کا موجب بنتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر اجرتیں اتنی کم ہوں کہ ان کے لیے باعزت طور پر گذر بسر مشکل ہو جائے تو وہ افسردگی کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کے قوائے عمل میں اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے جس سے قومی دولت میں اضافہ کی رفتار سست پڑ جاتی ہے۔ اگرچہ کام کا ماحول، کام کی شرائط اور روزگار کے تحفظ کا احساس بھی مزدوروں کی استعدادِ کار پر اثر انداز ہوتا ہے تاہم اجرتِ حقیقی کا معیار ہی ان کی ذہنی کیفیات کا رُخ متعین کرتا ہے۔ اس لیے کسی معاشی نظام کی کامیابی کے لیے یہ امر ازبس ضروری ہے کہ وہ تمام عاملینِ پیدائش کے لیے بالعموم اور محنت جیسے انسانی عامل کے لیے بالخصوص منصفانہ معاوضوں کا اہتمام کرے۔

قدیم معاشروں میں مزدوروں کے معاوضوں کا مسئلہ زیادہ پیچیدہ نہ تھا۔ اجرتوں کی ادائیگی میں خالص کاروباری یا معاشی نقطۂ نظر کی بجائے اخلاقی اقدار اور رواج کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ آجر اور اجیر کے تعلقات میں انسانی عنصر موجود رہتا جو فریقین کے درمیان باہمی تعاون کا باعث بنتا۔ ان معاشروں میں مزدوروں کو ایک گونہ آزادی کار بھی حاصل تھی۔ کیونکہ بالعموم آلات اور اوزار مزدور کی اپنی ملکیت ہوتے تھے۔ اگر ایک جگہ اسے حسبِ منشا معاوضہ نہ ملتا تو وہ بآسانی دوسری جگہ جا کر کام کر لیتا۔ دورِ جدید کے صنعتی انقلاب نے عملِ پیدائش میں مشینوں کے رواج کو جب عام کر دیا تو مزدوروں کی سابقہ آزادی ختم ہو گئی۔ ان مشینوں کی بدولت کثیر پیدا آوری اور زود پیدا آوری کو فروغ ہوا جس سے کاروباری کفائتیں پیدا ہوئیں جو مصارف پیدائش میں نمایاں کمی کا باعث بنیں اور مشینوں سے تیار ہونے والی اشیاء سستے نرخوں

پر بازار میں دستیاب ہونے لگیں۔ قدیم دستکاریوں اور حرفتوں کو اپنی محدود پیداوار اور فرسودہ طریق پیدائش کی وجہ سے یہ کفایتیں حاصل نہ ہو سکیں۔ اس لیے ان کی مصنوعات کے مصارفِ پیدائش اور قیمتیں نسبتاً زیادہ رہیں۔ ان حالات میں قدیم دستکار اور اہلِ حرفت جدید دستکاروں کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قدیم حرفتیں برباد ہوئیں اور اہلِ حرفہ کی بہت بڑی تعداد تلاشِ معاش کی خاطر ان بڑے بڑے صنعتکاروں اور سرمایہ داروں کی چوکھٹ پر بے بس و بے کس آ کھڑی ہوئی۔ ایک طرف مزدوروں کی کثیر تعداد تھی اور دوسری طرف جدید طریقِ پیدائش تھا جو انسانی محنت کی نسبت سرمایہ کا زیادہ طلب گار تھا۔ ان حالات میں انسانی محنت کی سابقہ قدر و منزلت کم ہو گئی۔ آلاتِ پیدائش پر بھی مزدور کا کچھ اختیار نہ تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ نئے معاشرتی رجحانات کی بنا پر مصارفِ زندگی میں نمایاں اضافہ ہو گیا۔ جس سے جدید صنعتکاروں کے مقابلہ میں اس کی حیثیت بے حد پتلی ہو گئی۔ اس بے بسی و بے چارگی نے بالآخر اسے مجبور کر دیا کہ وہ اپنی قوت و توانائی ادنیٰ معاوضہ پر سرمایہ داروں کی جھولی میں ڈال دے۔ سرمایہ دار نے مزدور کی اس بے بسی سے جی بھر کر فائدہ اٹھایا۔ نہایت مضرِ صحت ماحول میں سولہ سولہ اور اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے روزانہ کام لیا اور معاوضہ میں بس اتنا دیا کہ وہ جسم و جان کے رشتے کو برقرار رکھ کر اس کی دولت آفرینی کی مشین کو مسلسل چلاتا رہے۔ انہی حالات کو دیکھ کر مالتھس اور ریکارڈو جیسے قدیم معیشت والوں نے اجرت کے تعین کے بارے میں "خورد و نوش" کا نظریہ پیش کیا کہ مزدوروں کو معاوضہ محض قوتِ لایموت کی حد تک ملتا رہے۔ اگر معاوضہ کی شرح اس سے بڑھ جائے تو مزدور خوش حال ہو کر شادیاں کرنے لگتے ہیں اور بچوں کی پیدائش سے ان کی رسد بڑھ جاتی ہے جو نتیجۃً ان کی قیمت یعنی اجرت میں کمی کا باعث بن کر انہیں قوتِ لایموت کے مقام پر لے آتی ہے اجرتوں کے متعلق اس آہنی قانون کی موجودگی میں مزدور کبھی معقول اور مناسب معاوضہ کی توقع نہیں کر سکتے۔ حق بقیہؔ اور اجرت فنڈؔ کے نظریات مزدوروں کے معاوضوں کو ان کی استعداد اور کارکردگی کو نظر انداز کر کے تعداد یا رسد کے ساتھ وابستہ کر دیتے ہیں اور اس طرح مزدوروں کو کم اجرتیں دینے والے سرمایہ داروں کے ہاتھ مضبوط کرتے ہیں۔ کیونکہ سرمایہ دار ان نظریات کی آڑ لے کر بآسانی کہہ دیتا ہے کہ معاوضوں کی کم شرح کی ذمہ داری مزدوروں کی کثرتِ تعداد پر عائد ہوتی ہے۔ اس میں اس کا کوئی دخل نہیں۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ مزدوروں کے مشاہروں کے متعلق یہ تجزیہ یک رخا اور محض اس تفوق پر مبنی ہے جو موجودہ سرمایہ دارانہ طریق پیدائش میں سرمایہ کو محنت پر حاصل ہے اور جس کی بنا پر محنت کشوں

کی کارکردگی کی کماحقہ قدر نہیں کی جاتی۔

سرمایہ داروں کے ہاتھوں اس استحصال سے نجات پانے کے لیے محنت کشوں میں منظم طور پر سودا بازی کرنے کا خیال پیدا ہوا تو مجبوراً سرمایہ داروں کو مزدوروں کی کارکردگی یا صلاحیت پیداوار کے مطابق معاوضہ ادا کرنے کا اصول تسلیم کرنا پڑا۔ سرمایہ دارانہ معیشت میں اس تصور کو ایک انقلابی تصور اور عادلانہ اصولِ معاوضہ قرار دیا گیا۔ حالانکہ جن مفروضات پر اس اصول کی بنیاد ہے۔ حقائق کی دنیا میں ان کا وجود کہیں نظر نہیں آتا۔ عملِ پیدائش مختلف عوامل کی مشترکہ ومتحدہ کوششوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس مشترکہ جدوجہد میں کسی ایک عامل کی پیدا آوری کا صحیح اندازہ لگانا قریب قریب ناممکن ہے۔ یوں بھی سرمایہ دارانہ طریق پیدائش میں سرمایہ کو جو اہمیت حاصل ہے اس کے پیشِ نظر پیدا آوری کے پلڑے میں سرمایہ کا وزن ہی سب سے زیادہ ہوتا ہے اور اس نظام کی فطرت اور پیدا آوری کے نظریہ کی منطق کے لحاظ سے ——— بھی پیدائش دولت کا زیادہ حصہ سرمایہ کی جھولی میں پڑتا ہے۔ اس پر ستم یہ ہے کہ اس نظام میں مزدوروں کی پیدا آوری کا سطحی سا اندازہ ہو جانے کے باوجود بھی اسے معاوضہ اس کے برابر نہیں ملتا۔ سرمایہ دار ——— اس عذر کی بنا پر کہ اس کی تیار شدہ اشیاء چونکہ پیدا ہوتے ہی فروخت نہیں ہو جاتیں، بلکہ انہیں کچھ مدت گوداموں وغیرہ میں محفوظ رکھنا پڑتا ہے۔ اور اس مدت کے لیے اسے ان اشیاء کی تیاری پر لگائے ہوئے سرمائے کا سود ادا کرنا پڑتا ہے ——— سود کی رقم مزدوروں کی اجرت میں سے کاٹ لیتا ہے۔ یوں پیدا آوری کا اصول تسلیم کر لیے جانے کے باوجود بھی مزدور اپنی کارکردگی کے برابر اجرت پانے سے محروم رہتا ہے اور یہ محرومی بتدریج اس کے اندر سرمایہ اور سرمایہ دار سے نفرت کے رجحانات کی پرورش کرتی رہتی ہے۔ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کا یہ مرض قریب قریب لاعلاج ہے۔ اس نظام میں سرمایہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ بڑے پیمانہ پر پیدائش کثیر سرمایہ کی محتاج ہے۔ عملِ پیدائش میں سرمایہ کی اس مرکزیت کو تشکیل سرمایہ کے موجودہ طریقے جن میں سود خاص اہمیت رکھتا ہے۔ بہت مستحکم بنا دیتے ہیں۔ قومی دولت کا غالب حصہ اس نظام کی فطرت کے عین مطابق سرمایہ کی نازبرداریوں کے لیے سود کی صورت میں اٹھ جاتا ہے۔ باقی عاملینِ پیدائش کا مجموعی حصہ یوں بھی قلیل ہوتا ہے۔ لیکن محنت اپنے کمزور اوصاف کی بنا پر بالخصوص سب سے پیچھے رہ جاتی ہے۔ اس لحاظ سے موجودہ نظام پیدائش میں محنت کے لیے منصفانہ معاوضہ پانے کا سرے سے کوئی امکان ہی نہیں ہے۔ محنت کی اس کمزوری کو دور کرنے کے لیے بعض

ملکوں میں مختلف تدابیر اختیار کی گئی ہیں. مثلاً کاروباری منافع میں شرکت اور سماجی تحفظ وغیرہ کی مختلف صورتیں۔ لیکن ان اقدامات کے باوجود ہر جگہ محنت کشوں میں ایک عام بے چینی اور عدم اطمینان کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ جو انہیں سرمایہ داروں کے خلاف اپنے مفادات کے حصول کی خاطر منظم ہونے پر مجبور کر دیتی ہے۔ یوں پیدائش دولت اور تقسیم دولت کے عمل پر سرمایہ و محنت کے باہمی تعاون کی بجائے کش مکش کا رنگ چڑھنے لگتا ہے۔ اس آویزش میں سرمایہ دار اپنی مضبوط پوزیشن کی بنا پر پھر بھی نقصان سے بچا رہتا ہے۔ البتہ محنت کشوں کو یہ کشمکش بالعموم بڑی مہنگی پڑتی ہے۔ سرمایہ و محنت کی یہ آویزش بڑی درست نتیجہ ہے اس بات کا کہ طرفین اپنے معاملات میں انسانی عنصر کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں دونوں طرف مادی مفاد اور ذاتی اغراض کارفرما ہوتی ہیں۔ اس مادہ پرستانہ طرزِ فکر نے سرمایہ و محنت کے باہمی اعتماد و تعاون کی فضا کو مکدر کر رکھا ہے۔ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام محض مزدوروں کی اشک شوئی کے لیے سرمایہ کو بعض نام نہاد قوانین کا پابند کرتا ہے۔ لیکن چونکہ سرمایہ دار کی ذہنیت اور طرزِ فکر میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔ اس لیے ان قوانین کے مؤثر نتائج برآمد نہیں ہوتے اور مزدور مسلسل استحصال کی چکی میں پستے رہتے ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ کی ستم رانیوں کے ردعمل کے طور پر اشتراکی طرزِ فکر نے جنم لیا۔ نظام معیشت میں سرمایہ کی بالادستی ختم کرنے کے لیے اسے نجی ملکیت سے نکال کر اجتماعی تحویل میں لے لیا گیا۔ لیکن محض ملکیتی ہاتھوں کے بدل جانے سے خود بخود محنت کشوں کی مرادیں پوری نہیں ہو سکتیں۔ عمل پیدائش میں سرمایہ کی اہمیت اشتراکی ممالک میں بھی دوسرے تمام عوامل سے زیادہ ہے۔ اس لیے اس کا یعنی حکومت کا حصہ بھی سب سے زیادہ ہوتا ہے جسے وہ مزدوروں کی اجرتوں میں اضافہ کرنے کی بجائے اپنے مصالح کے مطابق صرف کرتی ہے۔ اشتراکیت کے علمبردار یہ نعرہ لے کر چلے تھے کہ "مزدور کی اجرت اس کی ضرورت کے مطابق ہو گی"۔ لیکن عملی طور پر اشتراکیت کا یہ اصول ناکام ہو چکا ہے۔ اشتراکی ممالک میں بھی پیدا آوری کو معاوضہ کے تعین کا معیار تسلیم کر لیا گیا ہے۔ لیکن ان ممالک میں سرکاری اجارہ داری کے تسلط اور محنت کشوں کے لیے تنظیم کی آزادی کے فقدان کی وجہ سے سرمایہ و محنت کا آزادانہ مقابلہ ختم ہو گیا ہے۔ معاوضوں کے تعین کے معاملہ میں مزدور کلیۃً سرکاری ملازمین کے رحم و کرم پر ہیں۔ یہیں سے اس مسئلہ میں معاشی عوامل کی بجائے ذاتی اور سیاسی اغراض کا عمل دخل شروع ہو جاتا ہے۔ جن مزدوروں کو

کاروبار کے منتظمِ اعلیٰ کی خوشنودی حاصل ہوجاتی ہے یا جو سرکاری پارٹی کے مفاد کے لیے مفید خیال کیے جاتے ہیں ان کے مشاہرے دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ ہوجاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام اشتراکی ممالک میں عام مزدوروں کے معاوضے تو ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ ممالک کے مقابلہ میں بہت کم ہیں مگر کمیونسٹ پارٹی سے وابستہ ارکان، آرٹسٹ اور نشرواشاعت اور ابلاغِ عامہ کے شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کے معاوضے نسبتاً زیادہ ہیں۔ سرمایہ دارانہ ممالک کی طرح یہاں بھی مزدوروں کے معاوضوں میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ یہاں کا سرمایہ دار یعنی حکومت اسی طرح محنت کشوں کا استحصال کررہی ہے جس طرح سرمایہ دارانہ معیشت میں نجی سرمایہ دار ان کا خون چوستا ہے۔ کیونکہ دونوں جگہوں پر کارفرما ذہنیت ایک ہی ہے۔ ایک جگہ نجی سرمایہ دار اپنے سرمائے کی افزائش کے لیے مزدوروں کو استحقاق سے کم اجرت دیتا ہے تو دوسری جگہ اجتماعی سرمایہ دار اپنے عسکری، سیاسی اور نمائشی منصوبوں کی تکمیل کے لیے محنت کشوں کی خون پسینہ کی کمائی کا بہت بڑا حصہ اچک لے جاتا ہے۔ موجودہ حالات میں نہ سرمایہ دارانہ نظام میں مزدوروں کے ساتھ انصاف ہوسکتا ہے اور نہ ہی اشتراکی نظام ان کے مسائل حل کرسکتا ہے۔ اشتراکیوں نے مزدور کو سرمایہ دار کے معاشی استحصال سے نجات دلانے کا نعرہ لگایا لیکن کچھ بہتر حالات سے ہمکنار کرنے کی بجائے اس کی رہی سہی آزادی بھی غصب کرلی ہے اور اسے منظم ہوکر اپنی سودا بازی کی قوت کو مضبوط کرنے کے حق سے بھی محروم کردیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مزدوروں کی محرومیاں اور حق تلفیاں براہِ راست شاخسانہ ہیں۔ اس مادہ پرستانہ اور خود غرضانہ ذہنیت کا جو عہدِ حاضر کی مغربی تہذیب کا لازمہ ہے۔ اس مادہ پرستانہ ذہنیت نے سرمایہ دار کو شقاوتِ قلبی میں مبتلا کردیا ہے اور موجودہ نظامِ پیدائش میں چونکہ اسے محنت پر برتری حاصل ہے۔ اس لیے وہ اس برتر حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے اور اس کے ردعمل میں مزدوروں کے اندر انتقامی جذبات پیدا ہوتے ہیں اور یوں سرمایہ و محنت کے درمیان تعاون کی بجائے کشمکش شروع ہوجاتی ہے۔ اصلاحِ احوال کی ایک ہی صورت ہے کہ سرمایہ و محنت کی منتقمانہ ذہنیت کو دور کیا جائے اور ان میں خوشش دلانہ اور رضاکارانہ تعاون کے جذبات پیدا کیے جائیں۔ ان اخلاقی اقدار کو بروئے کار لائے بغیر سرمایہ کی کبریائی پر قابو نہیں پایا جاسکتا۔

اسلام نے اجرتوں کے مسئلہ پر اسی پہلو سے بحث کی ہے۔ ایک طرف آجر کی خدمات کو قدر کی

نگاہ سے دیکھا گیا ہے تو دوسری طرف اس پر بھاری ذمہ داریاں عائد کر دی گئی ہیں تاکہ معاشی توازن میں خلل واقع نہ ہو۔ محنت کشوں کے معاملہ میں آجر کی اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ انہیں ان کی محنت کے مطابق اجرت ادا کرے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے :۔

"تین قسم کے انسان ایسے ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑوں گا اور جس سے میں جھگڑوں گا اسے مغلوب کر کے ہی چھوڑوں گا۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو مزدور سے کام تو پوری طرح لیتا ہے اور اس کے مناسب اس کی اجرت نہیں دیتا"

اس لحاظ سے اسلام اجرت کی بنیاد مزدور کی کارکردگی یا صلاحیتِ پیداوار کو قرار دیتا ہے لیکن موجودہ عملِ پیدائش چونکہ مختلف عوامل مثلاً زمین، محنت، سرمایہ اور تنظیم کی مشترکہ کوششوں سے انجام پاتا ہے اس لیے ان عوامل کی الگ الگ کارکردگی معلوم کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ جو اگرچہ ایک مشکل امر ہے تاہم منختم پیدا آوری کے نظریہ سے ہر عامل پیدائش کی کارکردگی اور مجموعی پیداوار میں اس کے حصہ کا ایک حد تک اندازہ ہو جاتا ہے۔ لیکن ہر عامل پیدائش کی منختم پیدا آوری اس کی طلب اور رسد کے زیر اثر ہوتی ہے اور خود طلب و رسد کی قوتیں لاتعداد داخلی و خارجی حالات کے تابع ہوتی ہے۔ اس لیے منختم پیدا آوری کے اصول کے تحت بھی جو معاوضہ طے پائے گا ضروری نہیں کہ وہ مناسب اور منصفانہ ہو۔ بالخصوص مزدوروں کے معاملہ میں تو اس بات کا غالب امکان ہے کہ اجرت ان کی منختم پیدا آوری سے کم ہو۔ کیونکہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے محنت دوسرے عامل کی نسبت کمزور واقع ہوئی ہے۔ اس لیے قومی دولت میں حصہ پانے کے معاملے میں دوسرے عوامل اپنی برتر اور مستحکم حیثیت کی بنا پر اس پر سبقت لے جائیں گے۔ یہی وہ مقام ہے، جہاں اسلام اجرتوں کے مسئلہ کو خالص فنی اور کاروباری حدود سے نکال کر عدل و انصاف کے اخلاقی دائرے میں لے آتا ہے اور محنت کی فطری کمزوری کی تلافی کرتا ہے۔ اسلام آجروں کے اموال میں ان محروموں کے حق کو باقی قرار دیتا ہے:

وفی اموالھم حق للسائل والمحروم	اور ان کے اموال میں سائل اور محروم افراد کا بھی حق ہے۔

اس حق رسی کے لیے مختلف تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں۔ پسندیدہ صورت یہی ہے کہ آجر احساس فرض کے طور پر اس حق کی ادائیگی کا خود اہتمام کرے۔ انہیں اپنے منافع میں شریک کرے، بونس دے

اور مفت یا ارزاں نرخوں پر ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کا انتظام کرے۔ حکومت بھی محصولات وغیرہ کی صورت میں مزدوروں کے والی کی حیثیت سے یہ حق وصول کرکے ان کی بہبود پر خرچ کرسکتی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ:

"غلام (خادم) کے لیے خوراک اور لباس چاہیے اور اس پر ایسے کام کا بار نہ ڈالا جائے جس کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو۔"

خوراک اور لباس ضروریاتِ زندگی کی علامت کے طور پر بیان ہوئی ہیں۔ اس سے یہ بات بھی نکلی کہ مزدوروں کے معاوضہ کی کم سے کم حد ضرور ہونی چاہیے اور یہ حد ہر معاشرہ کے مروجہ معیارِ زندگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے مقرر ہوگی، اور تمدنی ضروریات کے بدلنے کے ساتھ ساتھ تبدیل بھی ہوتی رہے گی۔

اسلام آجر و اجیر کے درمیان اخوت کے رشتہ کو ابھارتا ہے اور ضروری قرار دیتا ہے کہ ایک بھائی جو اپنے لیے پسند کرے وہی اپنے دوسرے بھائی کے لیے پسند کرے۔ اسلام میں اس بات کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں کہ آجر تو مال مست ہوکر گلچھرے اڑائے لیکن اس کا بھائی (اجیر) نانِ جویں کو ترس رہا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یہ لوگ تمہارے بھائی اور خادم ہیں۔ انہیں اللہ نے تمہارے زیرِ نگیں کیا ہے۔ پس جس شخص کے زیرِ نگیں اس کے بھائی کو کیا گیا ہو۔ اسے چاہیے کہ وہ جیسا کچھ خود کھاتا ہے، اسے کھلائے جیسا خود پہنتا ہے، اسے پہنائے۔"

یہ ارشادات محض اخلاقی مواعظ کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ اسلامی قوانین کی بنیادیں فراہم کرتے ہیں۔ اور ان سے روگردانی کرنے سے مواخذہ و محاسبہ کیا جاسکتا ہے۔ مشہور محدث و فقیہ ابومحمد ابن حزم کے الفاظ ہیں:

"ہر شہر کے اربابِ دولت پر فرض ہے کہ وہ فقراء اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کا سامان کریں اور اگر وہ ایسا نہ کریں اور زکوٰۃ اور فے ان کی کفالت کے لیے کافی نہ ہو تو امام انہیں اس ادائیگیٔ فرض پر مجبور کرسکتا ہے۔"

اسلام کسی انسان کو ذلیل و رسوا ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا چہ جائیکہ معاملہ کسی مسلمان کا ہو۔ اس لیے وہ مزدوروں کو آجروں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑتا بلکہ ہر مرحلہ پر ان کے مفادات کی نگرانی کرتا ہے اگر آجر کسی وقت

(باقی بر صفحہ ۱)